نزول مسیح ؑ

تقریر

حضرت قاضی محمد نذیر صاحب فاضل

بر موقعہ

جلسہ سالانہ جماعت احمدیہ ۱۹۶۲ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

نزول مسیحؑ

احباب کرام! میری تقریر کا موضوع "نزول مسیحؑ" ہے۔ یہ مضمون تحریک احمدیت کے نقطۂ نگاہ سے اہم ترین مضمون ہے اور سلسلہ احمدیہ کے لئے بنیادی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ تحریک احمدیت حضرت بانی سلسلہ احمدیہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کے اس دعویٰ پر مبنی ہے کہ آپ امت محمدیہ کے مسیح موعود ہیں اور اس دعویٰ کی مؤید وہ پیشگوئی ہے جو احادیث نبویہ میں نزول المسیح کے متعلق صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مروی ہے۔ جس میں آنحضرت ﷺ کے ایک امتی ابن مریم کو امت کا امام قرار دیا گیا ہے گو اجتہادی غلطی سے کئی علمائے سابقین اس پیشگوئی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصالتاً دوبارہ نزول سے متعلق سمجھتے ہوئے یہ لکھتے چلے آئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے خاکی جسم کے ساتھ کھانے پینے اور دیگر حوائج بشری کے بغیر غیر متغیر حالت میں آسمان پر زندہ موجود ہیں اور وہی آخری زمانہ میں آسمان سے اتریں گے۔

حضرت مرزا غلام احمد بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی تحقیق اس بارہ میں یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام از روئے آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ تمام دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح وفات پا چکے ہیں اور حدیث معراج نبویؐ سے بھی ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر ان کی خالہ کے بیٹے یحیٰ علیہ

السلام کے ساتھ بیٹھے دیکھا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یحیٰ علیہ السلام کے ساتھ عالم برزخ میں رہنا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ وہ بھی وفات پا کر عالم برزخ میں پہنچ چکے ہیں اور احادیث نبویہ میں نزول ابن مریم کی جو پیشگوئی وارد ہے اس میں ابن مریم کے لئے **اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ** (صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسیٰ ابن مریم) اور **فَاَمَّكُمْ مِنْكُمْ** (مسلم کتاب الایمان باب نزول عیسیٰ ابن مریم) کے الفاظ کہ وہ ابن مریم تم میں سے تمہارا امام ہوگا زبان مبارک نبویؐ سے اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ یہ ابن مریم امت محمدیہؐ کا ہی ایک فرد ہے جسے امت محمدیہؐ کا امت میں سے امام قرار دیا گیا ہے اور اس موعود کو ابن مریم کا نام محض استعارہ کے طور پر دیا گیا ہے جس سے یہ مراد ہے کہ یہ موعود حضرت المسیح عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے رنگ میں آئے گا اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مثیل اور بروز ہوگا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّرَحْمَةً** (ھود:۱۸)

ترجمہ:۔ کیا جو شخص اپنے رب کی طرف سے کھلی دلیل پر ہے (یعنی آنحضرت ﷺ) اور اس کے پیچھے خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم الشان گواہ آتا ہے اور اس سے پہلے موسیٰؑ کی کتاب امام اور رحمت ہے (کیا وہ شخص جھوٹا ہو سکتا ہے)

اس آیت میں زمانہ حال ماضی اور مستقبل کو علی الترتیب آنحضرت ﷺ کے دعویٰ کی صداقت پر گواہ ٹھہرایا گیا ہے زمانہ حال کی شہادت میں خود قرآن مجید کو بطور بینہ اور دلیل کے پیش کیا گیا ہے اور زمانہ مستقبل میں آپ کی سچائی کے ثبوت کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کے بعد ایک عظیم الشان گواہ کے بھیجا جانے کی خبر دی گئی ہے اور زمانہ ماضی کی شہادت کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تورات کو پیش کیا گیا ہے جس میں آنحضرت ﷺ کے بارے میں صریح پیشگوئیاں موجود ہیں۔ جو

آنحضرت ﷺ کے وجود باجود میں پوری ہو چکی ہیں اور قرآن مجید نے اس بارہ میں خود بیان فرما دیا ہے کہ آنحضرت ﷺ ہی اَلنَّبِیَّ الْاُمِّیَّ ہیں۔ جن کا ذکر تورات و انجیل میں موجود ہے اور آپ ہی موسیٰ کی مانند ایک نبی کے ظاہر ہونے کی پیشگوئی کا جو تورات میں مذکور ہے مصداق ہیں۔ (استثناء ۱۸/۱۸)

اس آیت میں یَتْلُوْہُ شَاھِدٌ مِّنْہُ کی پیشگوئی کا تعلق امت محمدیہ کے مسیح موعود سے ہی ہو سکتا ہے جو آخری زمانہ میں آنحضرت ﷺ کی سچائی کو ثابت کرنے کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے بطور حکم عدل مبعوث ہونے والا تھا۔ یَتْلُوْہُ شَاھِدٌ مِّنْہُ کی یہ پیشگوئی ہمارے نزدیک حضرت مرزا غلام احمد صاحب بانی سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوۃ والسلام کے وجود میں پوری ہو چکی ہے۔

دعویٰ کی بنیاد

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کی بنیاد قرآن مجید اور آپ کے اپنے الہامات پر ہے اور احادیث نبویہ اس کی موید ہیں۔ اس بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جو الہامات ہوئے وہ یہ ہیں۔

الہام اول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

"مسیح ابن مریم فوت ہو چکا ہے اور اس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق تو آیا ہے۔ وَکَانَ وَعْدُ اللّٰہِ مَفْعُوْلاً وَ اَنْتَ مَعِیْ وَاَنْتَ عَلَی الْحَقِّ الْمُبِیْنِ ٥" (ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۴۰۲)

دوسرا الہام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

"میں تجھے زمین کے کناروں تک شہرت دوں گا اور تیرا ذکر بلند کروں گا اور تیری محبت دلوں میں ڈال دونگا جَعَلْنَاکَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ (یعنی ہم نے تجھے مسیح ابن مریم بنا دیا ہے) ان کو کہہ دے میں عیسیٰ کے قدم پر آیا ہوں۔" (ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۴۴۲)

الہام سوم یہ ہے۔

"ثُمَّ اَحْيَيْنَاكَ بَعْدَ مَا اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى وَ جَعَلْنَاكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ" (ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۴۶۴)

یعنی ہم نے تجھے پہلی قوموں کو ہلاک کرنے کے بعد زندگی دی ہے اور تجھے مسیح ابن مریم بنایا ہے۔

ان الہامات کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور وعدہ کے موافق حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ السلام کو مسیح ابن مریم بنا کر بھیجا گیا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قدم پر آئے ہیں اور ان کے رنگ میں رنگین ہیں۔ گویا ان الہامات نے نزول المسیح کی پیشگوئی کو حل کر دیا۔ اور اس بارہ میں یہ فیصلہ دے دیا ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب حضرت مسیح ابن مریم کے مثیل اور بروز ہیں۔ کیونکہ جو شخص کسی کے قدم پر آئے اور اس کے رنگ میں ہو کر آئے وہ اس کا مثیل اور بروز ہی ہوتا ہے۔

احباب کرام! ان الہامات سے ظاہر ہو گیا ہے کہ ان میں آپ کو مجاز اور استعارہ کے طور پر ابن مریم قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ جب حقیقی ابن مریم وفات پا چکے ہیں اور اس وجہ سے ان کا اصالتاً دوبارہ آنا محال ہے لہٰذا ان کی دوبارہ آمد کا محال ہونا پیشگوئی میں ابن مریم کے نزول کو مجاز اور استعارہ ثابت کرنے کے لئے قطعی قرینہ ہے۔

استعارہ اور تشبیہہ میں فرق

استعارہ بھی مجاز کی ایک قسم ہوتا ہے۔ مجاز کی ایک قسم سادہ تشبیہہ ہے جیسے زَيْدٌ كَالْاَسَدِ یعنی زید شیر کی مانند ہے اس قسم مجاز میں زید مشبہ ہے یعنی اسے شیر سے مشابہت دی گئی ہے اور اسد (شیر) مشبہ بہ ہے جس سے زید کو تشبیہہ دی گئی ہے اور ک (بمعنی مانند) حرف تشبیہہ ہے۔ مجاز کی ایسی قسم جس میں مشبہ اور مشبہ بہ اور حروف تشبیہہ تینوں

مذکور ہوں سادہ تشبیہہ کہلاتی ہے۔ لیکن مجاز میں اگر مشبہ (مثلاً زید) کا ذکر نہ ہو اور حرف تشبیہہ بھی موجود نہ ہو بلکہ صرف مشبہ بہ اسد (شیر) کا ذکر کرکے اس سے مشبہ یعنی زید مراد لیا جائے اور کوئی قرینہ لفظیہ یا قرینہ حالیہ کلام میں اسد کے مجازی معنوں کے لئے قائم ہو تو ایسی مخصوص صورت کی تشبیہہ کو استعارہ کہتے ہیں۔ جیسے میں اگر زید کو شیر سے بطور استعارہ تشبیہہ دینا چاہوں تو کہوں کہ "ہمارا شیر غسلخانہ میں غسل کر رہا ہے۔" اس فقرہ میں نہ زید (مشبہ) کا ذکر لفظاً کیا گیا ہے اور نہ ہی حرف تشبیہہ استعمال کیا گیا ہے۔ بلکہ قرینہ سے زید کا شیر ہونا مراد لیا گیا ہے اور بوجہ استعارہ زید کے متعلق یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ وہ شیر ہی ہے۔ اس مثال سے ظاہر ہے کہ استعارہ کی صورت میں زید کے لئے اس فقرہ میں بہادری میں کمال رکھنے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ اس جگہ الفاظ "غسلخانہ میں غسل کر رہا ہے۔" اس بات کے لئے قرینہ ہے کہ شیر سے مراد کوئی انسان ہے اور استعارہ کی بناء پر اس کے لئے یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ وہ بہادری میں شیر سے کوئی معمولی مشابہت نہیں رکھتا بلکہ کامل مشابہت رکھتا ہے۔ خالی تشبیہہ میں مشابہت تو ضرور مقصود ہوتی ہے مگر اس میں کمال کا ادعا نہیں ہوتا۔

احادیث میں مثیل کا لفظ استعمال نہ کرنے کی وجہ

پس اس جگہ یہ سوال پیدا نہیں ہو سکتا کہ اگر نزول ابن مریم کی پیشگوئی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اصالۃً آنا مراد نہیں تھا تو کیوں پیشگوئی میں مثیل ابن مریم کے الفاظ نہیں رکھے گئے۔ بلکہ صرف "ابن مریم" کے نزول کے الفاظ رکھے گئے ہیں؟ یہ سوال اس لئے پیدا نہیں ہو سکتا کہ استعارہ کی زبان میں حرف تشبیہہ جیسے "مثیل" اور "مانند" وغیرہ بالکل استعمال نہیں ہوتے۔ دیکھئے قرآن مجید میں آتا ہے۔ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا (بنی اسرائیل: ۷۳) یعنی جو

شخص اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا اور راستہ سے بہت بھٹکا ہوا ہو گا۔ اس آیت میں أَعْمٰى (اندھا) سے مراد روحانی بصیرت سے محروم انسان ہے جسے ظاہری أَعْمٰى (نابینا) سے بطور استعارہ تشبیہہ دی گئی ہے اور أَعْمٰى کو استعارہ قرار دینے کے لئے حرف تشبیہہ ترک کر دیا گیا ہے اور أَضَلُّ سَبِيْلاً (راستہ سے بہت بھٹکا ہوا) کے الفاظ أَعْمٰى کے لفظ کے استعارہ کے طور پر استعمال ہونے کے لئے بطور قرینہ لائے گئے ہیں۔

اقسام قرائن

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ استعارہ میں دو قسم کے قرائن ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ استعارہ میں کوئی لفظی قرینہ قائم کیا جاتا ہے۔ جیسے "ہمارا شیر غسل خانہ میں غسل کر رہا ہے۔" کے استعارہ میں "غسل خانہ میں غسل کر رہا ہے" استعارہ کو ظاہر کرنے کے لئے لفظی قرینہ ہے۔

دوم یہ کہ اگر لفظی قرینہ قائم نہ کیا جائے تو پھر استعارہ کے لئے قرینہ حالیہ کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ تا حقیقی معنی کا احتمال اٹھ جائے اور صرف مجاز مراد لیا جا سکے۔

قرینہ حالیہ سے مراد یہ ہے کہ جس کو ہم کوئی نام بطور وصف دے رہے ہیں اس کا در حقیقت وہ نام نہ ہو۔ جیسے میں زید کو حاتم کا نام دوں تو اس جگہ قرینہ حالیہ زید کا حقیقتاً حاتم نہ ہونا ہو گا اور استعارہ حاتم کے وصف سخاوت میں ہو گا نہ کہ علم (ذاتی نام) میں۔ کیونکہ علم اگر استعارہ کی زبان میں استعمال ہو تو اس علم کے کسی خاص وصف میں استعارہ مراد ہوتا ہے۔ پس مشبہ کے لئے حقیقی معنی کا محال ہونا قرینہ حالیہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر میں زید کے لئے جو سامنے سے آ رہا ہو کہوں "وہ دیکھو! ہمارا شیر آ رہا ہے" تو چونکہ سامنے سے آنے والے زید کا حقیقت میں شیر ہونا امر محال ہے اس لئے اس بات کا محال ہونا استعارہ کے لئے قرینہ حالیہ ہو گا۔

"ابن مریم" کے نزول کی پیشگوئی میں قرائن

احباب کرام! حدیثوں میں "ابن مریم" کے نزول کی جو پیشگوئی ہے اس میں استعارہ کے لئے دونوں قسم کے قرائن موجود ہیں جو اس پیشگوئی کے استعارہ پر مشتمل ہونے کے لئے قطعی دلیل ہیں چنانچہ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں:۔

(۱) "كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيْكُمْ وَاِمَامُكُمْ مِنْكُمْ"

(صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسیٰ ابن مریم)

نیز فرماتے ہیں:۔

(۲) "كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيْكُمْ فَاَمَّكُمْ مِنْكُمْ"

(صحیح مسلم کتاب الایمان باب نزول عیسیٰ ابن مریم)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کو فرماتے ہیں تم کیسے ہو گے جب "ابن مریم" تم میں نازل ہوگا اور وہ تم میں سے تمہارا امام ہوگا۔

اس جگہ اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ یا فَاَمَّكُمْ مِنْكُمْ (تم میں سے تمہارا امام ہوگا) اس بات کے لئے لفظی قرینہ ہیں کہ پیشگوئی میں "ابن مریم" سے مراد اسرائیلی مسیح ابن مریم نہیں ہیں۔ بلکہ یہ مسیح موعود امت محمدیہ کا ہی ایک فرد ہے جو ابن مریم اسرائیلی کے رنگ میں رنگین اور اس کا مثیل ہونے والا تھا اس کے علاوہ قرینہ حالیہ بھی اس جگہ موجود ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طبعی وفات پا جانے کے متعلق قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے دلائل ہیں کیونکہ وفات یافتہ کا اصالۃً نزول محال ہے جیسا کہ میں آگے چل کر بیان کروں گا۔

پیشگوئیوں کا طریق

احباب کرام! انبیاء کی پیشگوئیوں کے متعلق عام طریق یہ ہے کہ وہ عموماً تمثیلی زبان میں ہوتی ہیں بالخصوص احادیث نبویہؐ کی وہ پیشگوئیاں جو وحی خفی کے ماتحت ہوتی ہیں' لیکن پیشگوئیاں اگر وحی جلی میں بھی مذکور ہوں تب بھی ان میں ضرور کچھ نہ کچھ اخفاء کا پہلو رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ ایمان بالغیب کے لئے آزمائش اور امتحان کا پایا جانا ضروری ہے۔ امتحان کے بغیر ایمان کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ دیکھئے اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سچ مچ دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے دمشق کے مشرق میں سفید منارہ کے پاس آسمان سے اتر آئیں اور لوگ انہیں بایں ہیئت آسمان سے اترتا دیکھ لیں تو پھر امتحان اور آزمائش جو ایمان کے لئے ضروری ہے مفقود ہو جانے سے ان پر ایمان لانے میں کیا کمال ہوگا؟ پس پیشگوئیاں تمثیلی زبان میں ہوتی ہیں اور تعبیر طلب ہوتی ہیں اور ان میں ضرور اخفاء اور پردہ رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ ایمان کا سارا حسن دراصل ایمان بالغیب میں ہی ہے واشگاف طور پر پردہ کا اٹھا دینا سنت الہیہ کے خلاف ہے۔

مامور کے زمانہ میں امتحان

پس جب بھی خدا تعالیٰ کا مامور آتا ہے تو اس وقت قوم کو ایک امتحان درپیش ہوتا ہے۔ یوں سمجھئے کہ ساری قوم کو امتحان کا ایک پرچہ دیا جانے والا ہوتا ہے۔ اور مامور من اللہ لوگوں کو ان اہم سوالات کا جواب سمجھاتا ہے جو امتحان میں رکھے جانے والے ہوتے ہیں۔ اس پر جو لوگ مامور من اللہ کو استاد مان کر اس کی طرف سے سکھائے گئے جوابات کو درست سمجھ کر اس کے مطابق اپنا پرچہ حل کر لیتے ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کے حضور کامیاب سمجھے جاتے ہیں۔ اور جو لوگ مامور من اللہ کے جوابات کے مطابق پرچہ

حل نہیں کرتے وہ ناکام رہ جاتے ہیں۔

یاد رہے کہ کبھی کوئی مامور من اللہ دنیا میں ایسا نہیں آیا جس کے موافق یا مخالف دلائل موجود نہ ہوں کیونکہ کسی مامور من اللہ کے متعلق بھی سابق پیشگوئیاں ایسی صاف اور واضح نہیں ہوتیں کہ ان میں آزمائش بالکل مفقود ہو جائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت امتحان

دیکھئے آج سے قریباً دو ہزار سال پہلے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کے موعود مسیح کے طور پر مبعوث ہوئے تو یہودی اس وقت اپنے انبیاء کی سابقہ پیشگوئیوں کی بنا پر یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ ان کے موعود مسیح کو خدا تعالیٰ اس کے باپ داؤد کا تخت دے گا۔ پھر ایک پیشگوئی تھی کہ ان کے مسیح موعود سے پہلے ایلیا (الیاس نبی) کا دوبارہ دنیا میں آنا ضروری ہے۔ چنانچہ ملاکی ۴/۵ میں لکھا تھا کہ:۔

"دیکھو خداوند کے بزرگ اور ہولناک دن کے آنے سے پہلے میں ایلیا کو تمہارے پاس بھیجوں گا۔"

اور الیاس کے متعلق سلاطین کی کتاب نمبر۲ میں لکھا تھا کہ وہ ایک رتھ میں بیٹھے ہوئے بگولے کے ذریعہ آسمان پر چلا گیا۔ (دیکھو نمبر۲ سلاطین ۲/۱۳) ملاکی نبی کی پیشگوئی کے مطابق یہودی ایلیا کا ہولناک دن آنے سے پہلے (یعنی مسیح کے آنے سے پہلے) آنا ضروری سمجھتے تھے۔ اس لئے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعویٰ نبوت کیا اور ظاہر کیا کہ میں اسرائیل کے لئے مسیح موعود ہوں اور یہودیوں کا بادشاہ ہوں تو چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بظاہر بادشاہ نہیں تھے بلکہ مسکینی کی زندگی بسر کر رہے تھے اس لئے یہودیوں نے آپ کے مسیح موعود ہونے سے انکار کر دیا کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وجود میں انہیں ظاہری طور پر بادشاہت ملنے کی وہ امید پوری ہوتی نظر نہ آئی جو امید

وہ صدیوں سے لگائے بیٹھے تھے۔

ان کی طرف سے حضرت مسیح ابن مریم پر یہ سوال بھی ہوا کہ اگر یسوع اسرائیلیوں کا مسیح موعود ہے تو پھر ایلیا کہاں ہے؟ جب حضرت مسیح ابن مریم کے سامنے یہ سوال پیش ہوا تو انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ ایلیا تو آچکا اور لوگوں نے اسے نہیں پہچانا۔ بلکہ جو چاہا اس سے کیا۔ اس سے حواری جان گئے کہ ایلیا سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یوحنا یعنی حضرت یحیٰؑ ہیں جو ان کے نزدیک ایلیا کی روح اور قوت میں آئے ہیں۔ (متی باب ۱۱ آیت ۱۴۔۱۵' متی باب ۱۷ آیت ۱۰ تا ۱۳)

یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس تاویلی جواب کو درست نہ سمجھا اور پیشگوئی کے ظاہر لفظ ایلیا پر اڑ کر اس کے اصالتاً آنے کے قائل رہے۔ اس طرح وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تاویلی معنی نہ ماننے کی وجہ سے امتحان میں فیل ہو گئے۔ پھر حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کیا تم یہودیوں کے بادشاہ ہو؟ حضرت مسیح علیہ السلام نے اس کا جواب دیا کہ میری بادشاہت اس دنیا کی نہیں اور اس طرح بتایا کہ میری بادشاہت آسمانی اور روحانی ہے نہ کہ زمینی بادشاہت۔ یہودیوں نے مسیح کی بادشاہت سے متعلقہ پیشگوئی کی اس تعبیر کو بھی قبول نہ کیا اور اکثر ان میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے اس وجہ سے محروم رہ گئے کہ یسوع داؤد علیہ السلام کی طرح تخت سلطنت پر نہیں بیٹھا۔

اس کے بالمقابل عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے دونوں جوابوں کو درست سمجھا اور ان کی تاویلات کو قبول کر لیا اور اپنے زمانہ کے امتحان میں کامیاب ہو گئے اور حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشگوئیوں میں اخفاء

ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

متعلق بھی تورات و انجیل میں پیشگوئیاں موجود تھیں مگر ان میں بھی آزمائش اور امتحان رکھا گیا تھا۔ اگر وہ ایسی ہوتیں کہ ان کے کوئی غلط معنی نہ لئے جا سکتے تو یہودی اور عیسائی علماء آپؐ کا انکار کیوں کرتے۔

پس پیشگوئیوں میں ضرور بعض اسرار مخفی ہوتے ہیں تاکہ قوم کی آزمائش ہو سکے تا وہ امتحان کے بعد ایمان لانے پر ثواب کی مستحق ہو۔ پیشگوئیوں میں ایمان بالغیب کی خاطر اخفاء کا پردہ ضرور ہوتا ہے۔ ہاں پیشگوئی کے ظہور پر ہوتا ہے تو صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ مامور من اللہ جس کے متعلق پیشگوئی ہوتی ہے وہ مبعوث ہو کر خدا تعالیٰ کے الہام سے یا اپنے اجتہاد کے ذریعہ ان پیشگوئیوں کا صحیح حل پیش کر دیتا ہے جو لوگ اس حل کو معقول اور درست سمجھ کر اس مامور من اللہ پر ایمان لے آتے ہیں وہ امتحان میں پاس ہو جاتے ہیں۔ مگر جو لوگ مامور من اللہ کے پیش کردہ حل کو درست نہیں سمجھتے وہ پیشگوئیوں کے بعض ظاہری الفاظ پر اڑ بیٹھتے ہیں اور امتحان میں فیل ہو جاتے ہیں اور اس طرح مامور من اللہ پر ایمان لانے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ہاں اگر مامور من اللہ کے اس حل کی کوئی نظیر بھی پہلے سے موجود ہو پھر وہ حل سونے پر سہاگے کا کام دیتا ہے اور ایمان لانے کی راہ میں اس سے آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فیصلہ

چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ فیصلہ کہ یوحنا نبی ہی ایلیا ہے اور ایلیا کی آمد کی جو پیشگوئی تھی وہ یوحنا کے وجود میں پوری ہو گئی ہے۔ یہی فیصلہ اسلام کے زمانہ میں "نزول مسیح" سے متعلقہ پیشگوئی کو حل کر دیتا ہے اور انجیل کی اس پیشگوئی کو بھی حل کر دیتا ہے جسے عیسائی حضرت مسیح کی آمد ثانی سے متعلق سمجھتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کبھی کوئی پہلا نبی آسمان سے اصالتاً نہیں اترا۔ لہٰذا جس طرح ایلیا کی آمد کی پیشگوئی یوحنا کے وجود میں پوری ہوئی تھی کیونکہ یوحنا ایلیا کی روح اور قوت میں آیا تھا اور حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کا قطعی فیصلہ ہے کہ یوحنا ہی خدا کے نزدیک ایلیا ہے اسی طرح "ابن مریم" کے نزول کی جو پیشگوئیاں احادیث نبویہ میں مذکور ہیں یا مسیح کی آمد کی جو پیشگوئی انجیل میں مذکور ہے وہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کے وجود میں پوری ہو گئی ہیں۔ کیونکہ آپ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مثیل اور بروز ہو کر آئے ہیں۔ جیسا کہ آپ کے الہامات نے اس بارہ میں فیصلہ دے دیا ہے کہ آپ مسیح ابن مریم کے قدم پر اور ان کے رنگ میں ہو کر آئے ہیں۔

نزول کی حقیقت

پیشگوئیوں میں "ابن مریم" کے نزول کی خبر میں "نزول" کے لفظ سے اہل علم کو کوئی غلطی نہیں لگنی چاہئے۔ بے شک نزول کے لغوی معنی نیچے اترنا ہیں مگر محاورہ زبان عربی میں یہ لفظ کسی معزز آدمی کی آمد و ظہور کے لئے بطور اعزاز و اکرام استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے سرور کائنات فخر موجودات سید ولد آدم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان میں قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيَاتِ اللّٰهِ مُبَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ

(الطلاق: ۱۱-۱۲)

یعنی اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف بہت بلند شان والے رسول کو نازل کیا ہے جو تم پر خدا تعالیٰ کی روشن اور واضح آیات پڑھتا ہے تاکہ ایمان لانے والوں کو ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لے آئے۔

اس آیت میں آنحضرت ﷺ کے لئے **اَنْزَلَ اللّٰهُ** کے الفاظ اعزاز و اکرام اور تائیدات و علوم سماویہ کے ساتھ آنے کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔

کسر صلیب اور قتل خنزیر کی مودودی تفسیر

جن حدیثوں میں "ابن مریم" کے نزول کی خبر دی گئی ہے۔ ان میں مسیح موعود کا کام کسر صلیب اور قتل خنزیر بتایا گیا ہے پیشگوئی کے یہ الفاظ بھی بطور استعارہ کے ہیں۔ چنانچہ مولوی ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے اپنے رسالہ "ختم نبوت" میں ان کاموں کی یہ تاویل کی ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نازل ہونگے تو سب عیسائی انہیں مان لیں گے گویا کسر صلیب ہو جائے گی اور پھر عیسائی ان کی ہدایت پر سؤر کھانا چھوڑ دیں گے اس طرح قتل خنزیر ہو جائے گا۔

پس اگر سؤروں کا اس طرح قتل سے بچایا جانا **یَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ** (وہ خنزیر کو قتل کرے گا) کی تاویل ہو سکتی ہے اور عیسائیوں کا ایمان لے آنا کسر صلیب ہے اور حدیث نبوی ؐ کا یہ حصہ جناب مودودی صاحب نے بھی تمثیلی تسلیم کر لیا ہے تو پھر ان کے لئے "ابن مریم" کا لفظ جو ان حدیثوں میں وارد ہے بطور استعارہ مان لینے میں کیا مشکل ہے جب کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اپنے الہامات کے ذریعہ یہ امر کھول دیا ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم فوت ہو چکے ہیں۔ اور آپ "ابن مریم" کے رنگ میں ہو کر آئے ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کے قدم پر ہیں۔ گویا آپ کو الہامات میں حضرت مسیح ابن مریم کا مثیل قرار دیا گیا ہے اور **جَعَلْنٰکَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ** کہہ کر واضح کر دیا گیا ہے کہ حدیث نبویہ ؐ کی نزول ابن مریم کی پیشگوئی آپ کے وجود میں پوری ہو گئی ہے۔

ایک بادشاہ اور نجومی کا قصہ

ایک بادشاہ کا ذکر ہے کہ اس نے اپنا ایک لڑکا ایک ماہر نجومی کے پاس علم نجوم کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجا۔ جب وہ لڑکا تعلیم پا کر فارغ ہو گیا تو نجومی نے اسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا اور کہا کہ میں اب اس کی تعلیم سے فارغ ہو چکا ہوں۔ میں نے اسے علم نجوم کی

تمام ضروری تعلیم دے دی ہے۔ بادشاہ نے امتحان کے طور پر ایک چیز اپنی مٹھی میں رکھ کر لڑکے سے پوچھا۔ بیٹا بتاؤ میرے ہاتھ میں کیا ہے؟ لڑکے نے اپنے علم کی رو سے جواب دیا کہ کوئی گول گول چیز ہے۔ اس پر بادشاہ نے پوچھا۔ اس کے متعلق کچھ اور بتاؤ؟ اس نے کہا جناب پتھر کی قسم کی کوئی چیز ہے۔ بادشاہ نے کہا۔ بیٹا! کچھ اور تفصیل بتاؤ۔ لڑکے نے کہا۔ اس کے درمیان سوراخ بھی ہے۔ بادشاہ نے کہا ذرا اور وضاحت کرو تو لڑکے نے جواب دیا۔ جناب یہ چکی کا پاٹ ہے۔ بادشاہ یہ جواب سن کر حیران رہ گیا۔ دراصل بادشاہ کے ہاتھ میں ایک قیمتی پتھر تھا جس کے درمیان سوراخ تھا۔ نجومی نے کہا۔ جناب! میں نے اسے سارا علم پڑھا دیا ہے اور اس نے اس پتھر کے متعلق کئی باتیں آپ کو صحیح بتائی ہیں۔ مگر جہاں کچھ فکر کا دخل تھا اس میں یہ غلطی کر گیا ہے۔ گویا اس کا اجتہاد ناقص ہے۔ اس طرح پیشگوئی کی تاویل میں اجتہادی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ حدیثوں کی پیشگوئیاں تو صحیح ہیں مگر ان کی تعبیر میں بعض اوقات علماء اپنے اجتہاد میں غلطی کھا جاتے ہیں جس طرح بادشاہ کے اس نجومی لڑکے نے اجتہاد کے موقع پر غلطی کھائی۔

چونکہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر قطعی گواہ ہیں۔ اس لئے جس شخص پر بعد از غور و فکر یہ حقیقت کھل جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں وہ تو "ابن مریم" کے نزول کے متعلق پیشگوئیوں کی وہی تعبیر درست قرار دے سکتا ہے جو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ مسیح موعود علیہ السلام نے کی ہے۔ پس ضروری ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کی صداقت معلوم کرنے کے لئے سب سے پہلے اس بات کو حل کیا جائے کہ آیا حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام وفات پا گئے ہیں یا وہ اپنے خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر زندہ اٹھائے گئے ہیں۔

حیات مسیح کے قائلین کے برخلاف مسلمانوں میں سے ایک گروہ پہلے سے اس

بات کو مانتا چلا آیا ہے کہ نزول مسیح کی پیشگوئی جو احادیث نبویہ میں بیان ہوئی ہے وہ امام مہدی کے وجود میں پوری ہو گئی اور امام مہدی علیہ السلام بموجب حدیث **لَا الْمَهْدِیُّ اِلاَّ عِیْسٰی**[1] عیسیٰ علیہ السلام کے بروز ہونگے۔ چنانچہ اقتباس الانوار مصنف مولانا شیخ محمد اکرم صابری صفحہ ۵۲ پر لکھا ہے:۔

"بعضے بر آنند کہ روح عیسیٰ در مہدی بروز کند واز نزول عبارت ہمیں بروز است مطابق ایں حدیث **لَا الْمَهْدِیُّ اِلاَّ عِیْسٰی**"۔

یعنی بعض کا یہ مذہب ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی روح یعنی روحانیت مہدی میں بروز کرے گی اور نزول (ابن مریم) سے مراد یہی بروز ہے اور یہ امر حدیث **لَا الْمَهْدِیُّ اِلاَّ عِیْسٰی** کے مطابق ہے۔

وفات مسیح

میں بتا چکا ہوں کہ حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کی وفات ثابت ہو جانے کے بعد ان کا اصالتاً نزول محال قرار پاتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کا قانون مستمر جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے یہی ہے کہ جو لوگ وفات پا جائیں وہ اس دنیا میں واپس نہیں آسکتے۔

وفات مسیح کا ثبوت از قرآن مجید

قرآن مجید سے یہ امر آفتاب نصف النہار کی طرح ثابت ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور اب وہ قیامت کے دن تک دوبارہ قوم میں واپس نہیں آئیں گے۔ چنانچہ سورۃ مائدہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال ہو گا یعنی قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔ "**ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ**"

کہ کیا اے عیسیٰ ابن مریم۔ تو نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو

[1] (ابن ماجہ ابواب الفتن باب شدۃ الزمان)

معبود مانو؟ (جیسا کہ رومن کیتھولک عیسائیوں کا مذہب ہے)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب میں کہیں گے:۔

"سُبْحَانَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۔ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ " (المائدہ:۱۱۷'۱۱۸)

یعنی اے خدا! تو اس عیب سے پاک ہے کہ کوئی تیرا شریک ہو اور تیرے علاوہ عبادت کیا جانے کا مستحق ہو اور میری شان کے خلاف تھا کہ میں انہیں وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں۔ اگر میں نے انہیں ایسی بات کہی ہے تو تو جانتا ہے۔ تو میرے نفس کی بات کو جانتا ہے اور میں تیرے نفس کی بات نہیں جانتا بے شک تو غیبوں کا خوب جاننے والا ہے۔ میں نے انہیں وہی بات کہی تھی جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔

اس بیان سے حضرت مسیح علیہ السلام کی بظاہر پوری براءت نظر آتی ہے۔ مگر ایک پہلو ابھی باقی تھا۔ یعنی اگر یہ سوال ہو کہ اچھا تم نے تو یہ تعلیم نہ دی۔ مگر یہ بتاؤ کہ تمہاری موجودگی میں اگر یہ عقیدہ پیدا ہوا تو کیا تم نے انہیں ایسا عقیدہ اختیار کرنے سے منع بھی کیا تھا یا نہیں؟ اگر منع نہیں کیا تھا تو تب بھی تم مورد الزام ہو۔ اس متوقع سوال کے جواب میں حضرت مسیح علیہ السلام اوپر کے جواب کے بعد کہیں گے۔

"وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ " (المائدہ:۱۱۸)

یعنی جب تک میں ان لوگوں میں موجود رہا۔ میں ان لوگوں کا نگران

رہا۔ پس جب (اے خدا) تو نے مجھے وفات دے دی تو ان پر تو ہی نگران تھا۔
یعنی وفات کے بعد تو مجھے پھر ان کی نگرانی کا موقعہ ہی نہیں ملا۔ لہٰذا مجھ پر ان
کے بگاڑ کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

كُنْتَ اَنْتَ میں ضمیر **اَنْتَ** کا دو دفعہ آنا تاکید للحصر کا فائدہ دے رہا ہے۔ یعنی
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے میری وفات کے بعد تو ہی نگران تھا تو مجھے ان کے بگاڑ کا
مشاہداتی علم کیسے ہو سکتا ہے؟

قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس جواب سے ظاہر ہے کہ ان کی
قوم میں بگاڑ ان کی توفّی یا وفات کے بعد ہوا ہے اور وفات کے ساتھ ہی وہ قوم کو خدا
کی نگرانی میں چھوڑ گئے اور پھر قیامت کے دن تک انہیں قوم میں دوبارہ آکر اصلاح
کرنے کا موقع ہی نہیں ملا ہوگا اور اپنی قوم کے بگاڑ کے متعلق انہیں کوئی مشاہداتی علم
نہیں ہوگا۔

اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو توفّی کے بعد اصالتاً قوم میں دوبارہ آکر اصلاح
کرنے کا موقعہ ملے تو پھر وہ خدا کے حضور یہ نہیں کہہ سکتے کہ میری توفّی کے بعد ان کا
تو ہی نگران تھا۔ بلکہ اس کی بجائے یہ جواب دیتے کہ جب تو نے مجھے دوبارہ دنیا میں بھیجا
تو میں نے ان کی اصلاح کی۔ ان میں توحید کا عقیدہ بھی قائم کر دیا اور ان کے صلیبی
عقیدہ کو بھی پاش پاش کر دیا۔ ان کی دوبارہ آمد کی صورت میں تو ان کا **فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ**
کے بعد **كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ** کہنا جھوٹ بن جاتا ہے کہ مجھے پھر ان کی نگرانی کا
موقعہ نہیں ملا۔ لہٰذا ان کے بگاڑ کے متعلق میں مشاہداتی علم نہیں رکھتا۔ **كُنْتَ اَنْتَ
الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ** کے الفاظ تو اسی بات کو مستلزم ہیں کہ آپ کو قیامت کے دن تک قوم
میں دوبارہ آنے کا موقعہ ہی نہیں ملا ہوگا۔ خدا تعالیٰ کے انبیاء معصوم ہوتے ہیں وہ اپنی
برأت میں کوئی جھوٹا بیان نہیں دے سکتے۔ پس اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام قوم میں

دوبارہ آئے ہوں تو ان کا كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ کہنا جھوٹ بن جاتا ہے۔ اس صورت میں ان کی طرف سے یوں واقعاتی شہادت پیش کی جاتی جس سے ان کی کامل برأت ہو جاتی کہ جب قوم میں دوبارہ واپس جانے پر میں نے انہیں بگڑا ہوا پایا۔ اور ان کی اصلاح کی تو پھر مجھ پر یہ الزام کیسے عائد ہو سکتا ہے کہ میں نے انہیں کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو معبود مانو؟

حیات مسیحؑ کے قائلین کی تاویل

وہ لوگ جو حیات مسیحؑ کے قائل ہیں انہوں نے اس آیت کے الفاظ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ کی یہ تاویل کی ہے کہ توفی سے اس جگہ زندہ کا مع روح و جسم پورے کا پورا لے لینا مراد ہے۔ چنانچہ مولوی ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن جلد اول میں اس کے معنی "جب تو نے مجھے واپس بلا لیا"۔ کئے ہیں اور مراد یہ لی ہے کہ یہودیوں کی ان سے بدسلوکی اور ان کے قتل کے درپے ہونے کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے ناراض ہو کر انہیں اپنے منصب سے ہٹا کر واپس بلا لیا۔

مگر اس قسم کے اصحاب نے غور نہیں فرمایا کہ یہ سوال و جواب جب اللہ تعالیٰ اور حضرت مسیح علیہ السلام کے درمیان قیامت کے دن ہو گا تو اگر توفی کے معنی اس جگہ موت کے نہیں بلکہ زندہ واپس لے لینے کے ہیں تو پھر از روئے آیت ہذا وہ قیامت کے دن تک زندہ ہی رہیں گے کیونکہ اس توفی کا دامن قیامت تک ممتد ہے اور اس سے واپسی پر دوبارہ قوم میں کسی کام پر مقرر ہونے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ کہہ کر انکار کر رہے ہیں۔ کیونکہ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ کے الفاظ ان کی عدم واپسی اور قوم کی حالت سے قیامت کے دن تک مشاہداتی علم کے لحاظ سے ناواقفی پر دلالت کر رہے ہیں اگر مودودی صاحب کے معنی لئے جائیں تو پھر تو وہ قیامت تک زندہ ہی رہیں گے اور خدا تعالیٰ کے قانون كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ

(آل عمران:۱۸۶) سے بچے رہیں گے۔ کیونکہ خدا کی طرف سے مفروض واپسی والی توفی کے بعد ان کی قوم میں دوبارہ واپسی کا ذکر موجود نہیں بلکہ اس کے برخلاف **كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ** میں ان کی عدم واپسی کا اظہار کیا گیا ہے۔ پس **تَوَفَّيْتَنِىْ** کو وفات طبعی کے معنی سے پھرانا اور اس لفظ کی اس جگہ منصب سے واپس لے لینے کی تاویل یا پورے کا پورا مع روح و جسم اٹھا لینے کے معنی لاحاصل ہیں کیونکہ اگر وہ زندہ ہی اٹھا لیے گئے ہوں یا زندہ ہی واپس بلا لئے گئے ہوں تو ان کی قوم میں دوبارہ واپسی کا **كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ** میں انکار کر دیا گیا ہے۔ جب اس جواب میں ان کی قوم میں دوبارہ واپسی سے انکار ظاہر ہے تو انہیں **كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ** کے قانون سے باہر رکھنے اور قیامت تک زندہ رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ پس **كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ** کے الفاظ اس بات پر شاہد ناطق ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی **توفّی** وفات کی صورت میں ہی ہوئی ہے نہ کسی اور طرح۔

حدیث نبویؐ بھی **توفّی** کے اس آیت میں وفات کے معنوں کی ہی مؤیّد ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری کتاب التفسیر میں امام بخاری علیہ الرحمتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیان **وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِىْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ** کی تفسیر میں ایک حدیث نبویؐ لائے ہیں۔ جس میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن کچھ لوگ گرفتار ہونگے تو میں کہوں گا یہ تو میرے دوست ہیں۔ مجھے جواب دیا جائے گا۔ **اِنَّكَ لَا تَدْرِىْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ اِنَّهُمْ لَمْ يَزَالُوْا مُرْتَدِّيْنَ عَلٰى اَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ** یعنی بے شک اے نبی: تو نہیں جانتا کہ تیرے بعد انہوں نے کیا بدعات اختیار کیں۔ یقیناً یہ لوگ جب تو ان سے جدا ہوا اپنی اپنی ایڑیوں پر واپس پھر گئے تھے۔ یعنی مرتد ہو گئے تھے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں:۔

"اَقُوْلُ کَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ کُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ○"

یعنی میں اس وقت وہی کہوں گا جس طرح خدا کے نیک بندے عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ میں ان کا اس وقت تک ہی نگران تھا۔ جب تک ان میں موجود تھا۔ پس جب تو نے مجھے وفات دے دی تو ان کا تو ہی نگران تھا۔

جب آنحضرت ﷺ کے اس بیان میں فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کے معنی "وفات دے دی تو نے مجھے" کیے جاتے ہیں تو یہی معنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیان کے ہونگے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ میں ہی یہ بیان اپنی برأت میں دے کر اس امر پر خود روشنی ڈال دی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیان میں بھی تَوَفَّیْتَنِیْ کے معنی "وفات دی تو نے مجھے" ہی مراد ہیں۔ اسی تفہیم کے ماتحت امام بخاری علیہ الرحمہ اس حدیث کو حضرت مسیح علیہ السلام کے قرآن مجید میں ذکر کردہ بیان کی تفسیر میں لائے ہیں۔

ایک سوال

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اَقُوْلُ مَا قَالَ نہیں فرمایا بلکہ اَقُوْلُ کَمَا قَالَ فرمایا ہے یعنی یہ نہیں فرمایا کہ میں وہ بات کہوں گا جو عیسیٰ بن مریم نے کہی بلکہ یہ فرمایا ہے کہ میں اس جیسی بات یعنی اس کے لگ بھگ بات کہوں گا۔ پس رسول اللہ ﷺ کے الفاظ اور ہوں گے اور حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے الفاظ اور ہونگے۔ دونوں کے الفاظ کا ایک ہونا اس جگہ کیسے مراد لیا جا سکتا ہے؟

الجواب اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے معین طور پر وہ الفاظ بھی بیان فرما دیئے ہیں۔ جو آپ استعمال فرمائیں گے۔ چنانچہ تفسیر در منثور میں بحوالہ ابن جریر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے۔

"اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مَادُمْتُ فِيْهِمْ فَاِذَا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ"۔

(در منثور مصنف جلال الدین سیوطی جلد ۲ صفحہ ۱۶۴ دار المعرفہ للطباعہ والنشر بیروت لبنان)

یعنی آیت اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ میں ان لوگوں پر گواہ ہوں جب تک میں ان میں رہا۔ جب تو نے مجھے وفات دے دی تو (اے خدا) ان پر تو ہی نگران تھا۔

اس بیان کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیان سے سوائے لفظ فَاِذَا کے لفظاً لفظاً تطابق ہے۔ آنحضرت ﷺ کے بیان میں فاذا کا لفظ ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیان میں فَلَمَّا کا لفظ ہے۔ اِذَا اور لَمَّا دونوں ہم معنی لفظ ہیں۔ اور حرف شرط (جب) کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ اس ادنیٰ لفظی تفاوت سے اَقُوْلُ كَمَا قَالَ کے مطابق بیان لگ بھگ بھی ہو جاتا ہے اور كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّادُمْتُ فِيْهِمْ اور تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ میں دونوں بیانوں میں لفظی تطابق بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ پس جب تَوَفَّيْتَنِيْ کے معنی "وفات دی تو نے مجھے" آنحضرت ﷺ کے بیان میں لیے جاتے ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیان میں بھی تَوَفَّيْتَنِيْ کے یہی معنی لئے جائیں گے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ

میں اپنی وفات کو ہی الزام سے برأت کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا توفی کے متعلق انعامی چیلنج

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی تحقیقات

قرآن مجید' احادیث نبویہؐ اور اہل عرب کے قدیم و جدید کلام کے استقراء کی بناء پر یہ ہے کہ توفی اور اس کے مشتقات کا جب اللہ تعالیٰ فاعل ہو اور کسی ذی روح کے لئے یہ استعمال ہوں تو اس جگہ معنی ہمیشہ قبض روح کے ہوتے ہیں۔ عربی زبان میں توفی کا ایسی صورت میں استعمال کبھی بھی **قبض الروح مع الجسم** کے معنوں میں نہیں ہوا۔ قرآن و حدیث اور اقوال عرب سے ایسی صورت میں استعمال کی کوئی مثال جس میں توفی **قبض الروح مع الجسم** کے معنوں میں استعمال ہوا ہو پیش کرنے والے کو آپ نے ایک ہزار روپیہ[1] علم کے لئے استعمال دکھانے کی صورت میں مزید دو صد روپیہ انعام دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔[2] مگر آج تک کوئی عالم ایسی مثال پیش نہیں کر سکا۔ پس جب لغت عربی میں اس شرط کے ساتھ **توفّی** کا لفظ ہمیشہ قبض روح کے معنوں میں ہی استعمال ہوتا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں **مُتَوَفِّيْكَ** اور **فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِىْ** کے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان میں **توفّی** سے مراد وفات دینا ہی ہے۔ کیونکہ محاورہ زبان عربی میں **توفّی** کا قبض الروح مع الجسم کے معنوں میں استعمال خدا کے فاعل اور ذی روح کے مفعول ہونے کی صورت میں پایا ہی نہیں جاتا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے اس لفظ کے استعمال میں قبض الروح مع الجسم کے معنی لینے کا محاورہ زبان کے لحاظ سے حق ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پس یہ معنی نئی لغت بنانا تو کہلا سکتا ہے۔ محاورہ زبان عربی ان معنوں کا متحمل نہیں۔

مودودی صاحب کا جواب

مولوی ابوالاعلیٰ مودودی اس چیلنج کے پیش نظر رقمطراز ہیں:۔

---

[1] (ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۶۰۳) [2] (براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۳۸۳)

"بعض لوگ جن کو مسیح کی طبعی موت کا حکم لگانے پر اصرار ہے سوال کرتے ہیں کہ **توفّی** کا لفظ قبض روح و جسم پر استعمال ہونے کی کوئی اور نظیر بھی ہے؟ لیکن جب کہ قبض روح و جسم کا واقعہ تمام بنی نوع انسان کی تاریخ میں پیش ہی ایک مرتبہ آیا ہو تو اس معنی پر اس لفظ کے استعمال کی نظیر پوچھنا محض ایک بے معنی بات ہے۔"

احباب کرام! سن لیا ہے آپ نے یہ فاضل فرماتے ہیں چونکہ **توفّی** کا لفظ کبھی قبض الروح مع الجسم کے معنوں میں ایک دفعہ کے سوا استعمال ہی نہیں ہوا یعنی صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ان معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ تو اس کی نظیر کہاں سے پیش کی جائے اس کی نظیر طلب کرنا تو ان کے نزدیک بے معنی بات ہے۔ مگر نظیر کے بغیر **توفّی** کے معنی قبض الروح مع الجسم لینا جب کہ یہ لفظ ۲۳ مرتبہ قرآن مجید میں حضرت مسیح علیہ السلام سے متعلقہ دو آیتوں کے علاوہ اور ساڑھے تین سو مرتبہ احادیث نبویہؐ میں صرف قبض روح کے معنوں میں ہی استعمال ہوا ہے اور جب سے لغت عربی رائج ہے کبھی ایک دفعہ بھی خدا کے فاعل اور ذی روح کے مفعول ہونے کی صورت میں قبض الروح مع الجسم کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا تو محض ایک بے معنی بات وہ مطالبہ نہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا ہے بلکہ محض ایک بے معنی بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے اس کا قبض الروح مع الجسم کے معنوں میں استعمال ہو گا۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا یہ مطالبہ تو ان لوگوں کا عجز ظاہر کرنے کے لئے ہے جو اس لفظ کو حضرت عیسیٰ السلام کے لئے قبض الروح مع الجسم کے معنوں میں لیتے ہیں حالانکہ ان معنوں میں یہ لفظ کبھی عربی زبان میں استعمال ہی نہیں ہوا۔

حیات مسیح کے قائلین کی ایک دلیل

اس جگہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے قرآن مجید میں

مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کے الفاظ وارد ہیں جن کا مطلب حیات مسیح کے قائلین یہ بیان کرتے ہیں کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ خدا تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھا لیا۔ یعنی زندہ مع جسم و روح کے آسمان پر اٹھا لیا۔

دلیل کی تردید اور ایک ضروری نکتہ

واضح ہو کہ اس آیت میں بے شک یہ تو آیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھا لیا مگر یہ نہیں آیا کہ خدا تعالیٰ نے انہیں آسمان پر اٹھا لیا۔ اس آیت میں جسمانی رفع مراد لینے میں کئی قباحتیں ہیں جو یہ ہیں۔

اول یہ کہ ان معنوں سے خدا تعالیٰ کا محدود المکان ہونا لازم آتا ہے کیونکہ رفع جسمانی صرف ایسی دو چیزوں میں ہی متصور ہو سکتا ہے جو دونوں ہی محدود المکان ہوں اور دونوں کے مکانوں کے درمیان ایک فاصلہ ہو۔ جو اٹھایا جانے سے طے ہو۔ مثلاً میری یہ عینک میز پر پڑی ہے۔ میں اسے اٹھا کر آنکھوں پر لگاتا ہوں تو اس اٹھا کر لگانے میں کئی فٹ کا فاصلہ طے ہوا ہے۔ یہ عینک بھی محدود المکان تھی اور میری آنکھیں بھی محدود المکان ہیں۔ چونکہ خدا تعالیٰ کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ خود محدود المکان ہو اور خدا کی طرف رفع جسمانی کے معنے چونکہ خدا تعالیٰ کے محدود المکان ہونے کو چاہتے ہیں اور خدا تعالیٰ کا محدود المکان ہونا محال ہے لہٰذا خدا کی طرف رفع جسمانی محال ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔

دوم یہ کہ عربی زبان میں رفع الی اللّٰہ کے معنی استعارۃً قرب منزلت، درجہ کی بلندی یا باعزت وفات پا کر خدا کی حضوری پانا ہی ہوتے ہیں۔ یہ قرب و حضوری فاصلہ سے تعلق نہیں رکھتی۔ درجات کی بلندی سے تعلق رکھتی ہے۔ بحوالہ ابن مردویہ بیہقی حضرت انسؓ سے مروی ہے۔

"اَکْرَمَ اللّٰہُ نَبِیَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یُّرِیَہٗ فِیْ اُمَّتِہٖ مَا یَکْرَہُ فَرَفَعَہٗ اِلَیْہِ وَبَقِیَتِ النَّقْمَۃُ"

(بحوالہ کیل الموفی صفحہ ۲۸ مولوی عنایت اللہ وزیر آبادی)

یعنی خدا تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز کی وجہ سے رؤیا میں آپ کو آپ کی امت میں واقع ہونے والی وہ بات دکھادی جسے آپ ناپسند کرتے تھے تو (پھر) آپ کو اپنی طرف اٹھالیا۔ (یعنی باعزت وفات دے دی) اور فتنہ اور عذاب باقی رہ گیا۔

اس جگہ حضرت انسؓ فَرَفَعَہٗ اِلَیْہِ کے الفاظ آنحضرت ﷺ کے لئے "خدا تعالیٰ نے آپ کو باعزت وفات دی" کے معنوں میں استعمال فرمارہے ہیں۔ اسی طرح یہ لفظ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے بھی باعزت وفات کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ یہودی آپ کو مصلوب کرکے بموجب تورات لعنتی ثابت کرنا چاہتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا۔

وہ آپ کو قتل نہیں کرسکے۔ یعنی صلیب پر نہیں مار سکے بلکہ خدا تعالیٰ نے آپ کو صلیب کی لعنتی موت سے بچاکر باعزت وفات دی ہے۔

ایک نکتہ

اس جگہ یہ نکتہ احباب کرام کے یاد رکھنے کے قابل ہے کہ توفّی کے معنی طبعی موت کے ہوتے ہیں جو باعزت بھی ہوسکتی ہے اور بے عزتی کی حالت میں بھی۔ رفع والی موت ہمیشہ باعزت موت ہوتی ہے خواہ طبعی ہو یا غیر طبعی۔

قرآن مجید میں دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

مَکَرُوْا وَ مَکَرَ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ ۝ اِذْ قَالَ اللّٰہُ یَا عِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَ مُطَھِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ" (آل عمران:۵۵-۵۶)

ترجمہ اس آیت کا یہ ہے کہ:۔

"یہودیوں نے تدبیر کی (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر مارنے کا منصوبہ کیا) اور خدا نے بھی تدبیر کی (ان کو بچانے کی) اور خدا تدبیر کرنے والوں میں سے بہتر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے کہا۔ اے عیسیٰ! میں تجھے طبعی موت دینے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں (یعنی طبعی موت بھی باعزت حالت دوں گا) اور تجھے کافروں کے الزاموں سے پاک کرنے والا ہوں اور تیرے متبعین کو تیرے منکروں پر قیامت تک غالب رکھنے والا ہوں۔"

اس آیت میں رَافِعُکَ اِلَیَّ کا وعدہ مُتَوَفِّیْکَ کے وعدہ کے بعد مذکور ہے۔ چنانچہ اس وعدہ کے مطابق خدا تعالیٰ نے آپ کو صلیبی موت سے بچا کر طبعی وفات بھی دی اور پھر باعزت طریق سے کامیابی کی حالت میں وفات دے کر اپنے حضور آپ کے مدارج بلند کر دیئے۔ اسی وعدہ رَافِعُکَ اِلَیَّ کا ایفاء آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں مذکور ہے۔ پس اس جگہ رفع جسمانی ہرگز مقصود نہیں۔ خدا کی طرف بندے کا رفع جسمانی محال ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ ہر بندے کے ساتھ ہے۔ وہ فرماتا ہے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (قٓ:۱۷)

کہ ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ پس خدا اور بندے کے درمیان کوئی فاصلہ تجویز نہیں ہو سکتا کہ اس کی طرف رفع جسمانی مراد لیا جا سکے کیونکہ رفع جسمانی مراد لینے سے خدا تعالیٰ کا محدود المکان ہونا لازم آتا ہے۔

ایک اور ضروری نکتہ

اس جگہ یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ خدا تعالیٰ نے آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ سے پہلے مَکَرُوْا وَ مَکَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ کے الفاظ میں یہود کی تدبیر کا مقابلہ تدبیر سے کرنے کا ذکر فرمایا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ مع روح و جسم آسمان پر اٹھالینا

قدرت نمائی اور معجزہ تو کہلا سکتا ہے مگر تدبیر نہیں کہلا سکتا۔ اعجاز اور تدبیر آپس میں نمایاں فرق رکھتے ہیں۔ جس بات میں مخالف کسی حیلہ کے ذریعہ مقابلہ نہ کرسکتے ہوں وہ معجزہ ہے اور جس امر میں کسی حیلہ کے ذریعہ سے مقابلہ کرسکتے ہوں وہ حیلہ تدبیر ہوتی ہے۔ پس خدا تعالیٰ کی تدبیر تو کوئی ایسا امر ہی ہو سکتی ہے جس کا مقابلہ یہودی بھی تدبیر سے کرسکتے ہوں اور پھر خدا تعالیٰ کے **خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ** ہونے کی وجہ سے وہ خدا کی تدبیر کے مقابلہ میں ناکام رہیں اور زندہ شخص کو آسمان پر اٹھا لینا معجزہ نمائی تو کہلا سکتا ہے مگر تدبیر نہیں کہلا سکتا۔ لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے صلیبی موت سے زندہ آسمان پر اٹھا لینے سے نہیں بچایا بلکہ کسی مخفی تدبیر سے بچایا ہے۔

ہمارے سید و مولیٰ فخر الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ کے مخالف آپ کے قتل کرنے یا قید کرنے یا جلاوطنی کی تدبیریں کر رہے ہیں **وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ** وہ بھی تدبیر کر رہے تھے اور خدا تعالیٰ بھی ان کے بالمقابل تدبیر کر رہا تھا اور اللہ تدبیر کرنے والوں میں سے بہتر ہے۔ لہٰذا خدا تعالیٰ تو کامیاب ہوا اور آنحضرت ﷺ کے دشمن آپ کے قتل کی تدبیر پر سمجھوتہ کر لینے کے بعد سراسر ناکام رہے اور وہ آنحضرت ﷺ کا بال بیکا بھی نہ کرسکے کیونکہ خدا تعالیٰ اپنی تدبیر کے ذریعے آنحضرت ﷺ کو دشمنوں کے درمیان سے نکال کر لے گیا۔ اور پھر ہجرت کے بعد آپ کو ایسی کامیاب زندگی عطا فرمائی جس کی کامل مثال کسی نبی میں موجود نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗۤ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِيْنٍ** (المومنون:۵۱) کہ ہم نے ابن مریم اور اس کی والدہ کو نشان بنایا اور ان دونوں کو ایک بلند زمین کی طرف پناہ دی۔ جو آرام والی اور چشموں والی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پہاڑی علاقہ کی طرف یہ ہجرت بھی اس تدبیر کا ہی حصہ

ہے جو خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیبی موت سے بچا کر ان کے متعلق اختیار کی۔

مودودی تفسیر مولوی ابوالاعلیٰ صاحب مودودی **یَا عِیْسٰیٓ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ** کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"اصل میں **مُتَوَفِّیْکَ** کا استعمال ہوا۔ توفّی کے اصل معنی لینے اور وصول کرنے کے ہیں۔ روح قبض کرنا اس لفظ کا مجازی استعمال ہے نہ کہ اصل لغوی معنی۔ یہاں یہ لفظ انگریزی لفظ To recall کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے یعنی کسی عہدہ دار کو اس کے منصب سے واپس بلا لینا۔"

(تفہیم القرآن جلد ا صفحہ ۲۵۷ مطبوعہ مرکنٹائل پریس لاہور طبع اول ۱۹۵۱ء)

ایک مطالبہ اس موقعہ پر مولوی ابوالاعلیٰ صاحب سے میرا مطالبہ یہ ہے کہ وہ توفّی کا استعمال لغت عربی میں منصب سے واپس بلا لینے کے معنوں میں ہی دکھا دیں اور اس کی ایک مثال ہی پیش کر دیں۔

مگر وہ ایسا بھی نہیں کر سکیں گے بلکہ وہ کہہ دیں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح کوئی شخص جب خدا تعالیٰ نے منصب سے واپس بلایا ہی نہیں تو میں اس کی مثال کیسے پیش کر سکتا ہوں۔ ایسا مطالبہ تو "ایک بے معنی بات ہے" یہ لفظ تو صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ہی جب سے لغت عربی وجود میں آئی ہے۔ ڈیوٹی سے واپس بلا لینے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے مگر کیا اگر وہ اس جگہ بھی یہی جواب دیں تو ان کا یہ جواب معقول کہلا سکتا ہے؟ میں اس امر کا فیصلہ صرف ادبی ذوق رکھنے والوں پر ہی چھوڑتا ہوں کہ کیا یہ امر نئی لغت ایجاد کرنا نہیں؟

احباب کرام! مودودی صاحب کا اتنا بیان تو قابل تسلیم ہے کہ توفّی کے اصل معنی لینے اور وصول کرنے کے ہیں۔ مگر منصب سے ہٹانے کے معنے ہرگز درست نہیں۔

بے شک وہ کہہ سکتے ہیں کہ روح قبض کرنا اس کے مجازی معنے ہیں۔ مگر کسی لفظ کے استعمال میں زبان کے اصولوں کو ملحوظ رکھنا تو ضروری امر ہے۔ مودودی صاحب نے توفی کے مجازی معنی قبض روح کرنا تسلیم کر لئے ہیں۔

مجاز کے متعلق علم بیان کا قاعدہ

اور علم بیان میں یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ جس محل پر کوئی لفظ مجازی معنوں میں استعمال ہوا ہو۔ اس محل میں وہ لفظ حقیقی اور اصلی لغوی معنوں میں استعمال شدہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ایسے محل پر اس کے اصلی لغوی معنی لینے محال ہوتے ہیں۔ مثلاً قرآن شریف میں آیا ہے مَنْ كَانَ فِىْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل: ۷۳) کہ جو شخص اس دنیا میں اندھا ہوگا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔ اندھے کے لغوی معنی ہیں جو آنکھوں سے اندھا ہو۔ مگر اس کے مجازی معنی بصیرت روحانیہ سے عاری کے ہیں۔ لہٰذا اس جگہ ظاہری نابینائی کے معنی سراسر غلط اور نامعقول ہوں گے۔ کیونکہ محل استعمال مجازی معنوں کا ہے۔ توفّی کے مجازی معنی قبض روح کے ہیں اور ان معنوں کا محل استعمال یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ توفّی کرنے والا ہو اور انسان کی توفّی کی جائے۔ اس موقعہ پر اس لفظ کے معنی قبض روح ہی ہوتے ہیں۔ گویہ مجازی معنی قرار دیئے جائیں۔ مجازی معنی کے محل پر یہ لفظ اپنے اصلی لغوی معنی "پورا لے لینا اور وصول کر لینا" میں استعمال نہیں ہوتا پس چونکہ آیت يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ میں اور آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِىْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ میں دونوں جگہ خدا تعالیٰ فاعل ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو انسان ہیں توفّی کا مفعول بہ ہیں لہٰذا دونوں آیتوں میں توفّی کے معنی وفات دینا ہی ضروری ہونگے۔ اس محل پر کوئی دوسرے معنی کرنا علم بیان کے اصول کا خون کرنے کے مترادف ہے۔

مودودی صاحب کی بے سلیقہ بات

مگر مولوی ابوالاعلیٰ صاحب فرماتے ہیں:۔

"جو لوگ قرآن کی آیات سے مسیح کی وفات کا مفہوم نکالنے کی کوشش کرتے ہیں وہ دراصل یہ ثابت کرتے ہیں کہ اللہ میاں کو صاف سلجھی ہوئی عبارت میں اپنا مطلب ظاہر کرنے کا سلیقہ نہیں ہے۔"

(تفہیم القرآن صفحہ ۲۵۸ جلد اول مرکنٹائل پریس لاہور طبع اول ۱۹۵۱ء)

مودودی صاحب نے اس جگہ کیا عجیب بات کہی ہے جو خود ان کے اپنے ہی بیان پر چسپاں ہوتی ہے نہ کہ ہمارے بیان پر۔ ہمارا بیان تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق متنازع فیہ دو آیتوں کے علاوہ تیئیس جگہ **توفّی** کا لفظ انسانوں کے قبض روح اور وفات کے معنوں میں ہی استعمال فرمایا ہے نہ کہ واپس لے لینے کے معنوں میں۔ اگر ان سب مقامات میں قبض روح اور وفات کے معنوں میں خدا تعالیٰ کا یہ لفظ استعمال کرنا عین سلیقہ شعاری اور سلجھا ہوا طریق ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے یہ لفظ وفات کے معنوں میں استعمال شدہ تصور کرنے میں کیا الجھن اور بے سلیقگی متصور ہو سکتی ہے؟ خدا تعالیٰ کا تو طریق ہی یہ ہے کہ وہ جہاں انسان کے لئے **توفّی** کا لفظ استعمال فرماتا ہے۔ اس سے اس کی مراد قبض روح یا وفات دینا ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا ان معنوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق **توفّی** کا لفظ استعمال کرنے میں خدا تعالیٰ کا بے سلیقہ ہونا تو لازم نہیں آتا البتہ مودودی صاحب کی بے سلیقگی اور طبیعت کا الجھاؤ ضرور ظاہر ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اس لفظ کے مجازی معنی میں استعمال کے محل پر اس کے لغوی معنوں میں استعمال کا دعویٰ کر کے لاریب اپنی بے سلیقگی کا ثبوت دے رہے ہیں۔

مودودی صاحب کے نزدیک قرآن مجید کا بیان واضح نہیں

مودودی صاحب تفہیم القرآن جلد اول صفحہ ۴۲۰ پر آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:۔

”قرآن نہ اس کی تصریح کرتا ہے کہ اللہ ان کو جسم روح کے ساتھ کرہ زمین سے اٹھا کر آسمان پر لے گیا اور نہ یہی صاف کہتا ہے کہ انہوں نے زمین پر طبعی موت پائی اور صرف ان کی روح اٹھائی گئی۔ اس لئے قرآن کی بنیاد پر نہ تو ان میں سے کسی ایک پہلو کی قطعی نفی کی جاسکتی ہے نہ اثبات۔“

(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ ۴۲۰ مطبوعہ مرکنٹائل پریس لاہور طبع اول ۱۹۵۱ء)

احباب کرام: دیکھئے جناب مولوی مودودی صاحب اس عبارت میں آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کی تفسیر میں خدا تعالیٰ کی طرف کوئی سلجھا ہوا مضمون پیش کرنا منسوب کر رہے ہیں یا بے حد الجھا ہوا؟ جو خدا کی شان کے صریح منافی ہے۔ مگر یہ الجھاؤ صرف مولوی صاحب موصوف کی طبیعت کا ہے ورنہ قرآن مجید کا یہ بیان بھی صرف ایک ہی پہلو رکھتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے باعزت طبعی وفات پائی۔

مولوی مودودی صاحب کے نزدیک ان کی تفسیر کی رو سے از روئے قرآن مجید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر مع روح و جسم جانا تو قطعی نہ ہوا مگر کرہ زمین پر رہنا تو ان کے نزدیک قطعی ہے۔ کیونکہ زمین پر تو وہ پہلے سے ہی قطعی طور پر موجود تھے۔ پس مودودی صاحب اگر انہیں اب تک کہیں کرہ زمین پر ہی زندہ مانتے ہیں تو پھر انہیں ان کی تلاش کرنی چاہئے۔ خدا تعالیٰ نے وہ زمین قرآن مجید میں وَاٰوَيْنٰهُمَا اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ (المومنون:۵۱) کے الفاظ میں بتا دی ہوئی ہے۔ پس ایسی پہاڑی وادیوں میں انہیں ان کی تلاش ضرور کرنی چاہئے کیونکہ رفع الی اللہ کے معنی آسمان پر جانا تو ان کے نزدیک معین نہیں اور کسی اونچے پہاڑی علاقہ میں ان کی ہجرت قرآن

کریم میں مذکور ہے۔

ایک سوال ہاں اس موقعہ پر مودودی صاحب سے یہ پوچھنا بھی ضروری ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کرہ زمین پر ہی کسی جگہ مخفی ہیں تو پھر ان کے فرشتوں کے کندھوں پر منارۃ **البیضاء** کے پاس نازل ہونے والی حدیث کی آپ کیا تشریح فرمائیں گے۔ کیونکہ وہ تو پھر زمین سے برآمد ہونے چاہئیں۔ آسمان سے تو نہیں آ سکتے۔

خدا کے بندو! کیوں سیدھے طور پر یہ نہیں مان لیتے کہ نزول مسیح سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی مثیل کا آنا ہے اور دو فرشتوں کے کندھوں پر نازل ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس مسیح موعود کو آسمانی مدد حاصل ہوگی۔ وہ صاحب وحی و الہام ہوگا اور ملائکہ کا تائید یافتہ ہوگا۔ تا ہر قسم کی الجھنوں سے بچ جاؤ۔

خلاصہ کلام چونکہ سورۃ مائدہ کی آیت **كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّادُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِىْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ** سے واضح اور روشن طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وفات پا کر دوبارہ واپس نہ آنا ثابت ہے۔ اس لئے نزول مسیح ابن مریم سے متعلقہ پیشگوئیوں میں ابن مریم کا لفظ بطور استعارہ تسلیم کرنا ضروری ہے کیونکہ جو شخص وفات پا جائے وہ بموجب نصوص قرآنیہ اس دنیا میں واپس نہیں آ سکتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُوْنَ** (المومنون:۱۶'۱۷) یعنی تم پھر اس کے بعد (یعنی پیدا ہونے کے بعد) ضرور مرنے والے ہو پھر یقیناً تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔

لیکن اگر یہ قانون بھی ہوتا کہ کوئی وفات یافتہ زندہ ہو کر اس دنیا میں واپس آ سکتا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پھر بھی واپس نہیں آ سکتے کیونکہ قیامت کے دن **فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِىْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ** کے الفاظ میں وہ جو جواب دیں گے اس سے

ظاہر ہے کہ توفّی کے بعد انہیں قوم میں دوبارہ آنے کا موقع نہیں ملا ہوگا۔ کیونکہ وہ کہیں گے۔ میری توفّی کے بعد (اے خدا) ان پر تو ہی نگران تھا۔ یعنی توفّی کے بعد مجھے پھر قوم میں دوبارہ جانے کا موقع ہی نہیں ملا۔ اور توفّی سے پہلے کی حالت کا ذکر وہ **كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ** کے الفاظ سے کریں گے کہ میں ان کا اس وقت تک نگران رہا جب تک ان میں موجود رہا۔ پس قوم میں موجودگی کے بعد ان کی جو توفّی ہوئی اس سے قوم میں واپسی اور قوم کے بگڑنے کی حالت کے متعلق مشاہداتی علم رکھنے سے وہ انکار کر رہے ہیں۔ لہٰذا اس آیت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات روز روشن کی طرح ظاہر ہے۔ اس لئے نزول ابن مریم کی پیشگوئی میں "ابن مریم" کا لفظ بطور استعارہ تسلیم کرنا ضروری ہوا۔ **وَهٰذَا هُوَ الْمُرَادُ**۔

ایک اعتراض کا جواب

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ علم معانی والے کہتے ہیں **لَا اِسْتِعَارَةَ فِی الْاَعْلَامِ** مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ **عَلَم** یعنی نام بطور استعارہ کسی صورت میں استعمال ہی نہیں ہوتا بلکہ مراد یہ ہے کہ استعارہ اس علم کے کسی خاص وصف میں ہوتا ہے۔ جیسے کسی کو سخی ہونے کی وجہ سے حاتم کہہ دیا جاتا ہے نیز دیکھئے! ابو سفیان نے ہرقل قیصر روم کے دربار میں **لَقَدْ اَمِرَ اَمْرُ ابْنِ اَبِیْ كَبْشَةَ** کے الفاظ میں آنحضرت ﷺ کو جو ابن عبداللہ تھے۔ استعارہ کے طور پر ہی **اِبْنِ اَبِیْ كَبْشَةَ** کہا ہے یہ روایت صحیح بخاری میں درج ہے۔ اس جگہ ابو سفیان کی مراد یہ ہے کہ آپ ایک وصف میں ابن ابی کبشہ کے مثیل ہیں۔

علاوہ ازیں صحیح بخاری میں ایک اور حدیث بھی موجود ہے جس میں رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں:۔

"مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ اِلَّا وَالشَّيْطَانُ يَمَسُّهٗ فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِنْ مَسِّ الشَّيْطٰنِ اِيَّاهُ اِلَّا مَرْيَمَ وَابْنَهَا"

(بخاری کتاب الانبیاء باب وَاذْکُرْ فِی الْکِتَابِ مَرْیَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَھْلِھَا مَکَانًا شَرْقِیًّا)

"یعنی کوئی مولود پیدا نہیں ہوگا مگر شیطان اسے ولادت کے وقت چھوئے گا۔ پس وہ شیطان کے اسے چھونے پر چیخے چلائے گا۔ بجز مریم اور ابن مریم کے۔"

اس حدیث نبویؐ میں بتایا گیا ہے کہ جب بلوغت پر انسان کی معنوی ولادت ہوتی ہے اور اس طرح کوئی انسان ایک صحیح مذہب میں جنم لیتا ہے تو اس معنوی ولادت پر شیطان اس کے پیچھے پڑ جاتا ہے۔ اور اسے گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ اس موقعہ پر یہ روحانی مولود دعاؤں میں لگ جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کے حضور گڑگڑاتا ہے کہ وہ اسے شیطان کے حملے سے محفوظ رکھے۔ مگر جو شخص ولادت معنوی کے موقع پر مریمی مقام یا ابن مریم کا مقام رکھے وہ مس شیطان سے پاک ہوگا۔ اس حدیث میں "مریم" اور "ابن مریم" کا لفظ ایسے بزرگان امت کے لئے بطور مجاز و استعارہ استعمال ہوا ہے جو مقام ولایت یا مقام نبوت تک پہنچے ہوں۔ ایسے لوگ مس شیطان سے بالکل پاک رہتے ہیں۔ اس قسم کے لوگوں کا ذکر سورۃ تحریم میں بھی کیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ وَ مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ○ (التحریم: ۱۲، ۱۳)

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مثال فرعون کی عورت سے بیان کی ہے۔ جب اس نے کہا۔ اے میرے رب! تو میرا گھر اپنے پاس جنت میں بنا اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے اور مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے

اور (مومنوں کی) مریم بنت عمران سے مثال دی ہے جس نے اپنی شرمگاہ کو بچایا۔ پس ہم نے اس میں روح پھونکی اور اس نے خدا کے کلمات کو سچا جانا اور فرمانبرداروں میں سے تھی۔

ان آیات میں مومنوں کے لئے دو تمثیلیں دی گئی ہیں۔ چنانچہ پہلی آیت میں بعض مومنوں کو فرعون کی بیوی سے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔ جو فرعون اور اس کے عمل اور ظالموں سے نجات پانے کے لئے دعائیں کرتی تھی۔ اسی قسم کے مومن وہ ہوتے ہیں جن کا ذکر حدیث نبویؐ میں انہیں شیطان کے چھونے اور ان کے چیخنے چلانے کے الفاظ میں کیا گیا ہے۔ دوسری قسم کے مومنوں کی مثال مریم بنت عمران سے دی گئی ہے جس میں نفخ روح سے حضرت ابن مریمؑ پیدا ہوئے۔ حدیث نبویؐ میں ان دونوں کا ذکر **اِلَّا مَرْیَمَ وَابْنَهَا** میں کیا گیا ہے اور انہیں مس شیطان سے پاک قرار دیا گیا ہے۔

پس اس حدیث میں "مریم" اور "ابن مریم" کے الفاظ استعارۃً وصف مریمی اور وصف ابن مریم رکھنے والے انسانوں کے لئے استعمال ہوئے ہیں حضرت مریمؑ ولایت کی صفت سے متصف اور ابن مریم نبی اللہ تھے۔ اور المسیح کی صفت سے متصف تھے اور بتایا گیا ہے کہ امت میں مریمی صفات و ابن مریم کی صفات سے متصف ہونے والے یا دوسرے لفظوں میں ان کے مثیل مس شیطان سے پاک رہتے ہیں۔ ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ کوئی نبی اور ولی سوائے مریم اور ابن مریم کے مس شیطان سے پاک نہیں۔

پس حدیث نبویؐ میں ابن مریم کے نزول کی پیشگوئی میں ایسے شخص کا امت محمدیہ سے ظہور ہی مراد ہو سکتا ہے جو مثیل مسیح ابن مریم ہو کر امت محمدیہ کا المسیح الموعود ہے۔

مسیح موعود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ

حدیث صحیح بخاری میں نازل ہونے والے "ابن مریم" کو **اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ** کہہ کر اور حدیث صحیح مسلم میں **فَاَمَّكُمْ مِنْكُمْ** کہہ کر اور حدیث مسند احمد بن حنبلؒ

میں اِمَامًا مَهْدِيًّا کہہ کر اس ابن مریم کو امت محمدیہ ؐ میں سے امت کا امام قرار دیا گیا ہے۔ طبرانی کی ایک حدیث میں آیا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اِنَّ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ لَيْسَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهٗ نَبِيٌّ وَلَا رَسُوْلٌ۔ اَلَا اِنَّهٗ خَلِيْفَتِيْ فِيْ اُمَّتِيْ مِنْ بَعْدِيْ اَلَا اِنَّهٗ يَقْتُلُ الدَّجَّالَ وَيَكْسِرُ الصَّلِيْبَ وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ وَتَضَعُ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا مَنْ اَدْرَكَهٗ فَلْيَقْرَءْ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔

(المعجم الاوسط جلد۵ صفحہ ۳۶۶ حدیث ۴۸۹۵ مصنف ابو القاسم سلمان بن احمد الطبرانی مکتبہ المعارف والنشر والتوزیع الریاض)

یعنی ابوہریرہؓ سے مروی ہے انہوں نے کہا رسول خدا ﷺ نے فرمایا۔ بے شک میرے اور عیسیٰ بن مریم کے درمیان کوئی نبی اور رسول نہیں سنو! یقیناً وہ میری امت میں میرے بعد میرا خلیفہ ہے۔ سنو! بے شک وہ دجال کو قتل کرے گا اور صلیب کو توڑے گا اور جزیہ موقوف کردے گا اور لڑائی اپنے اوزار رکھ دے گی۔ سنو! جو تم میں سے اسے پائے اسے السلام علیکم کہے۔

احباب کرام! یہ حدیث میں اس بات کے ثبوت میں پیش کر رہا ہوں کہ امت محمدیہ میں موعود عیسیٰ بن مریم کو آنحضرت ﷺ نے نبی اور رسول کہا ہے اور اس کے متعلق یہ بھی بتایا ہے کہ وہ آپؐ کے بعد آپ کا خلیفہ اور جانشین ہوگا۔

اور قرآن مجید کی آیت استخلاف سے جو سورہ نور میں نازل ہوئی ہے یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد آپ کے تمام خلفاء آپ کی امت میں سے ہوں گے اور یہ سب خلفاء اسلام سے پہلے گذرے ہوئے خلفاء کے مثیل ہونگے۔ یہ آیت کسی پہلے نبی کے آنحضرت ﷺ کے خلیفہ ہونے کو امر محال قرار دیتی

ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا۔ (النور:۵۶)

"یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لا کر اعمال صالحہ بجالائیں گے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا۔ جس طرح اس نے ان لوگوں کو خلیفہ بنایا جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں اور ضرور ان کا وہ دین ان کے لئے مضبوط کرے گا جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے اور ضرور ان کو خوف کے بعد امن سے بدل دے گا۔"

یہ آیت اس بات پر نص صریح ہے کہ امت محمدیہ ؐ میں موعودہ خلافت کا وعدہ آنحضرت ﷺ کے امتیوں کو دیا گیا ہے اور امت محمدیہ ؐ کے خلفاء کو پہلے گذرے ہوئے خلفاء سے كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کہہ کر لفظ كَمَا کے ذریعہ تشبیہہ دی گئی ہے۔ پس اس امت کے خلفاء مشبہ ہیں اور پہلی امتوں کے خلفاء مشبہ بہ۔ چونکہ مشبہ اور مشبہ بہ میں ازروئے علم بیان مغائرت کا ہونا ضروری ہے اس لئے امت محمدیہ کے خلفاء پہلے گذرے ہوئے خلفاء کے غیر ہونگے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی پہلا خلیفہ آکر امت محمدیہ میں آنحضرت ﷺ کا خلیفہ بن جائے۔ کیونکہ اس سے مشبہ اور مشبہ بہ کا عین ہو جانا لازم آتا ہے جو محال ہے اور جس امر سے ایک محال امر لازم آئے وہ امر باطل ہوتا ہے چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے اصالتاً آنحضرت ﷺ کا خلیفہ بننا محال ہے۔ لہٰذا ان کا دوبارہ آکر آنحضرت ﷺ کا خلیفہ بننا مستلزم محال ہونے کی وجہ سے باطل ہے اور ثابت ہو گیا کہ حدیث نبوی ؐ کی یہی تعبیر درست ہے کہ اس حدیث کے موعود عیسیٰ بن مریم سے مراد درحقیقت امت محمدیہ ؐ کا ایک فرد

ہے جو امت میں سے آنحضرت ﷺ کا ایک خلیفہ ہوگا اور اسے عیسیٰ ابن مریم کا نام المسیح کا وصف رکھنے کی وجہ سے دیا گیا ہے۔

غیر احمدیوں کی غلط تعبیر

بعض لوگ کہتے ہیں کہ صحیح بخاری کی حدیث کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ وَ اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ میں امام سے مراد امام مہدی ہے اور حدیث ہذا میں وَ اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ کے الفاظ نازل ہونے والے "ابن مریم" کے متعلق استعمال نہیں کئے گئے بلکہ ایک دوسرے شخص امام مہدی کے متعلق بیان کئے گئے ہیں۔

اس کے جواب میں واضح ہو کہ حدیث ہذا میں وَ اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ جملہ اسمیہ بطور حال کے واقع ہوا ہے اور ذوالحال اس کا اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ ہے اور اس حدیث میں "ابن مریم" سے کسی الگ امام کا ذکر نہیں بلکہ اسے امت میں سے قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ہمارے ان معنوں کی تائید صحیح مسلم کی ایک دوسری حدیث کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ فَاَمَّکُمْ مِنْکُمْ سے ہو رہی ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث میں وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ جملہ اسمیہ ہے اور اس کا مبتدا ھُوَ محذوف ہے۔ دوسری حدیث میں جو صحیح مسلم میں وارد ہے۔ اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ کی بجائے فَاَمَّکُمْ مِنْکُمْ پورا جملہ فعلیہ استعمال ہوا ہے۔ اَمَّ فعل ماضی ہے جس میں ھُوَ ضمیر غائب مستتر ہے۔ اس کا مرجع صرف ابن مریم ہی ہو سکتا ہے لہٰذا جس طرح دوسری حدیث میں ابن مریم کو ہی امت میں امت کا امام قرار دیا گیا ہے اسی طرح صحیح بخاری کی حدیث میں بطور جملہ اسمیہ یہی مضمون بیان ہوا ہے۔

ایک تیسری حدیث

ایک تیسری حدیث میں وارد ہے یُوْشِکُ مَنْ عَاشَ مِنْکُمْ اَنْ یَّلْقٰی عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اِمَامًا مَّھْدِیًّا حَکَمًا عَدْلًا یَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ [1]

[1] مسند احمد بن حنبل بروایت ابو ہریرہؓ جلد ۲ صفحہ ۴۱۱ مطبوعہ مصر

قریب ہے کہ جو تم میں سے زندہ ہو وہ عیسیٰ بن مریم سے ملے اس کے امام مہدی حکم اور عدل ہونے کی حالت میں وہ صلیب کو توڑے گا اور خنزیر کو قتل کرے گا۔

پس ان حدیثوں میں امام اور مسیح ابن مریم کو ایک ہی وجود قرار دیا گیا ہے اس کے علاوہ مہدی کے متعلق جس قدر احادیث مروی ہیں جن میں بعض مجروح اور ضعیف بھی ہیں وہ سب مہدی کو امت کا ایک فرد ہی قرار دیتی ہیں۔

ایک اور حدیث

صحیح بخاری میں دو اور حدیثیں وارد ہیں ایک میں ذکر ہے کہ معراج کی رات آنحضرت ﷺ نے عیسیٰ ابن مریم کو یحیٰؑ نبی کے ساتھ دوسرے آسمان پر دیکھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا کر حضرت یحیٰ علیہ السلام کے ساتھ برزخی زندگی گذار رہے ہیں۔ لہٰذا ان کی جسمانی زندگی کا خیال باطل ہے اس حدیث سے صرف ان کی برزخی زندگی کا ثبوت ملتا ہے ورنہ زندہ کا وفات یافتہ کے ساتھ رہنے کا کوئی جوڑ نہیں۔ پھر حدیث معراج میں آنحضرت ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ **اَحْمَرُ جَعْدٌ**[1] کے الفاظ میں بیان فرمایا ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رنگ سرخ اور گھنگھرالے بال تھے۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رؤیا میں دجال کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا اور اس کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو طواف کرتے دیکھا اس جگہ آپ نے عیسیٰ بن مریم کا حلیہ **اٰدَمُ سَبْطُ الشَّعْرِ**[2] بیان فرمایا ہے کہ اس کا رنگ گندمی ہے اور بال لٹک رہے ہیں۔

پس یحیٰ علیہ السلام کا ساتھی عیسیٰ بن مریمؑ اور شخص ہے اور دجال کا پیچھا کرنے والا عیسیٰ ابن مریمؑ اور شخص ہے کیونکہ دونوں کے **حلیے** الگ الگ ہیں جو دو الگ الگ شخصوں پر دلالت کر رہے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

[1،2] بخاری کتاب الانبیاء باب وَاذْکُرْ فِی الْکِتَابِ مَرْیَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَھْلِھَا